# اُردو کے دو حکمت آموز داستانوی قصّے

ڈاکٹر بصیرہ عنبرین

ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو، شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

# TWO THOUGHT PROVOKING STORY BOOKS OF URDU LANGUAGE

Baseera Anbreen, PhD

Associate Professor of Urdu

Department of Urdu, University Oriental College, Lahore

**Abstract**

Fort William College played a very significant role in the spread of Urdu language. Many a book published under the influence of this College. Baital Pachisi and Sanghasan Battisi were two famous books on folklore which also got published from here. This article analyses the style and content of these two books. The article focuses their philosophical traits besides shedding lights on their dealings of folk wisdom from different aspects like socio-politic, societal and finally feminine. Moreover, the article studies the religious and ethical points presented in them. A comparative study has also been made between both books side by side study of their Hindi mix style.

**Keywords:**

Fort William College, folklore, Hinduism, Baital Pachisi, Sanghasan Battisi, Hindi, Urdu, Comparative Study.

بیتال پچیسی اور سنگھاسن بتیسی اُردو کے داستانوی ادب میں نمایاں مقام کی حامل ہیں۔ بیتال پچیسی سنسکرت الاصل پچیس کہانیوں پر مشتمل کتاب ہے۔ یہ فورٹ ولیم کالج کے طباعتی منصوبے کے تحت ۱۸۰۳ء میں مظہر علی خان ولا اور للولال کوی کی کوششوں سے برج بھاشا سے اُردو میں منتقل ہوئی۔ ان کے پیش نظر وہ نسخہ تھا جسے صورت نام کیشور نے جے نگر کے حکمران راجا جے سنگھ سوائی کے کہنے پر سنسکرت سے برج بھاشا میں ڈھالا تھا۔ بعد ازاں فورٹ ولیم کالج کے ہندوستانی شعبے کے منشی تاریخی چرن متر نے طباعت کے وقت اسے عام زبان کی صورت دینے کے لیے اس میں سنسکرت اور برج بھاشا کے اُن الفاظ کو خارج کر دیا جن کا زبانِ ریختہ میں چلن نہ تھا۔ دوسری طرف سنگھاسن بتیسی، بتیس مختصر کہانیوں پر مبنی ہے اور اسے سندر کبیشر نے سنسکرت سے برج بھاشا میں منتقل کیا تھا۔ ۱۸۰۵ء میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ کے ایما پر کاظم علی جوان اور للولال کوی نے اسے اوّلاً دیوناگری اور بعد ازاں اُردو زبان میں ڈھال کر فورٹ ولیم کالج سے شایع کرایا۔ مختصر کہانیوں کے یہ دونوں سلسلے دانش آموز ہیں اور تہذیبی حوالے سے اپنی خاص پہچان رکھتے ہیں۔ دونوں داستانوں میں ایک قدرِ مشترک یہ ہے کہ ان میں علم و حکمت کے جواہر ریزے ملتے ہیں۔ ان داستانوں میں مذکور رموزِ حکمیہ کو خدا، انسان اور کائنات کی تثلیث ازلی کے تناظر میں بھی پیش کیا گیا ہے اور یہ فرد کے اجتماعی لاشعور سے منسلک اُس دانش آفاقی کا تسلسل بھی ہیں جو انسانی زندگی میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا آ رہا ہے۔ بیتال پچیسی میں راجا بکرماجیت اور بیتال کے مابین ہونے والی گفت گوؤں اور بیتال کی زبانی پیش کردہ قصّوں کو سرتاسر حکمت آموز اسلوب میں رقم کیا گیا ہے، دوسری طرف سنگھاسن بتیسی میں راجا بھوج کے سامنے بتیس پتلیوں کی زبانی راجا بکرماجیت کی راج دھانی سے وابستہ زرّیں اصولوں پر مبنی دل چسپ حکایتوں سے بھی اخلاقی نتائج سامنے آئے ہیں۔ کلاسیکی طرز پر استوار کہانیوں کے یہ دونوں سلسلے فلسفہ و حکمت اور اخلاقی ضابطوں کا ایسا اظہار ہیں کہ پڑھنے والا ان سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور زیادہ تر زندگی کے مثبت پہلوؤں ہی کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ ہمارے داستانوی ادب کے مقبول ترین رویے کے تحت یہاں منفی سے مثبت کا استخراج ملتا ہے اور خیر و شر کی آویزش کے نتیجے میں یہی دکھایا گیا ہے کہ نفسِ انسانی کے لیے بہر حال شر مردود اور خیر مقبول ہے۔ دونوں داستانوی کتب میں اس قدر اثر انگیزی ہے کہ پڑھنے والا حکمت و دانش کے ان قصوں میں کھو کر رہ جاتا ہے۔

بیتال پچیسی اور سنگھاسن بتیسی کے حکمت آمیز اسلوب کا نمایاں ترین پہلو خدا، انسان اور کائنات سے متعلق انسانی ذہن میں ابھرنے والے استفسارات کا اظہار ہے۔ چوں کہ بنیادی طور پر یہ قصے ہندو دھرم سے متعلق ہیں لہٰذا ان پر ہندو مذہب کے گہرے اثرات محسوس کیے جا سکتے ہیں تاہم یہاں ایسے اخلاقی نکتے بھی ہیں جن کا شمار حکمت و دانش کی عمومی رمزوں میں ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں انسان کے لیے مذہب کی ضرورت و افادیت، خدا کے وجود اور نیکی و بدی سے متعلق انسانی اعتقادات سے وابستہ بعض حقائق بہ ظاہر حکایتی رنگ و آہنگ سے مملو ہیں، لیکن فی الاصل اپنی نوعیت کے اعتبار سے آفاقی ہیں، مثلاً بیتال پچیسی سے اقتباسات دیکھیے:

''.....ساتھ کچھ نہیں جائے گا، دنیا میں دھرم بڑی چیز ہے۔''(۱)

''جگت میں جنم پا کے دھرم بٹورنا منش کو اُچت ہے۔''(۲)

سنگھاسن بتیسی میں اسی رنگ کی نمودیوں ہوئی ہے:

''.....یہ بھگوان کی اِچھا ہے کہ کسی کو ہاتھی پر چڑھاوے اور کسی کو پیدل پھراوے۔ کسی کو دھن دولت بن مانگے دے، کسی کو بھیک مانگے ٹکڑا نہ ملے۔ کوئی سکھ چین کرتا ہے، کوئی دکھ سے بوراہا ہے۔ بھگوان کی گت جانی نہیں جاتی۔ کون روپ، کس روپ میں رچا ہے اور جو کرم میں لکھ دیا ہے، سو منش کو بھگتنا پڑتا ہے۔ دکھ سکھ اس کے ہاتھ ہے۔ اس میں کسی کا زور نہیں چلتا۔''(۳)

''بھگوان رحم کرے تو تنکے سے پہاڑ کر دے اور غضب کرے تو پہاڑ سے تنکا.....''(۴)

''دھرم سے سنسار میں آدمی راج پاتا ہے اور دھرم سے سب کام سدھ ہوتے ہیں اور دھرم سے جگت میں جس ہوتا ہے.....دھرم سے یہ کایا امر ہو جاتی ہے، گربھ باس چھوٹ جاتا ہے.....''(۵)

یہ امر واقعی ہے کہ آغاز ہی سے ہمارے افسانوی ادب میں انسان کی حیثیت کم مایہ رہی ہے اور اسے ایک 'جبری' سے زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔ اردو کے افسانوی قصص سے زیادہ تر یہی مترشح ہے کہ انسان بذات خود کوئی وجود نہیں رکھتا اور اس کی ذات تقدیر کی رہین منت ہے۔ قسمت کے حوالے سے یہی عمومی اور مروج تصور ان دونوں داستانوں میں نظر آتا ہے اور یہاں انسان کے ہیچ ہونے کا احساس جا بجا ملتا ہے۔ ایسے مواقع پر ان میں تصوف کے نظریہ ویدانت کے اثرات بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں، خصوصاً جب اس طرح کی سطور سامنے آتی ہیں کہ: ''پرش کا بھاگ برہمن نہیں جانتا۔

آدمی کی تو کیا قدرت ہے۔ یہ دیکھتے ہی بن آوے، زبان سے کہا نہیں جاتا۔"(۶) خصوصیت کے ساتھ بیتال پچیسی میں اکثر مقامات پر قسمت کی یاوری سے کامیابی اور اس کے الٹ پھیر سے انسان کی ناکامی کی داستانیں رقم ہیں۔علاوہ ازیں بخت کی کارفرمائی ظاہر کرتے ہوئے ایسے معروف ہندو تاریخی کرداروں کی مثالیں بھی مل جاتی ہیں جن کی شمولیت بیان میں دلالت پیدا کرتی ہے۔واضح رہے کہ یہ اس عہد کے داستانوی ادب کا محبوب موضوع رہا ہے، چناں چہ بیش تر داستانوں میں حکمت آمیز پیرایۂ بیان کے اتصال نے موضوع میں دل کشی پیدا کر دی ہے ___ مثالاً اُس حصّے کا ذکر کیا جا سکتا ہے جہاں سنگھاسن بتیسی میں ایک موقعے پر راجا بکرماجیت اپنے پردھان منتری سے یہ استفسار کرتا ہے کہ: منش بدھ اپنے کرم سے پاتے ہیں یا ان کے ماتا پتا سکھاتے ہیں؟(۷) تو وزیر اس کے جواب میں قسمت کے ہیر پھیر اور انسانی زیست میں اس کے عمل دخل کی توضیح یوں کرتا ہے:

> "یہ نر پورب جنم جیسا کرم کرے ہے تیسا بدھاتا اس کے کرم میں لکھ دیتا ہے۔تس سے پران بدھ ہوتی ہے۔ماتا پتا کے سکھانے سے بدھ نہیں ہوتی۔کرم کا لکھا ہی پھل پاتا ہے۔آدمی، آدمی کو کیا سکھاوے اور جو سیکھنے سے بدھ ہو تو سبھی پنڈت ہوں۔اس سے مہاراج، کرم کے لکھے بنا بدیا نہیں ہوتی۔کروڑ جتن کوئی کرے کرم کی ریکھا مٹے نہیں مٹتی۔"(۸)

اس طرح ان قصوں میں قسمت کی کارفرمائی اور انسان کی بے بسی کا بیان اکثر مقامات پر اسلوب میں اتار چڑھاؤ پیدا کرتا ہے۔اس حوالے سے یہاں مذکور زیادہ تر علمیہ و حکمیہ عناصر یوں ہیں کہ قسمت کے بھید کسی کو معلوم نہیں، زندگی کے تمام تر درجات عالیہ اسی کی دین ہیں، اس کا لکھا ٹلتا نہیں، روز ازل ہی سے یہ انسان کے ساتھ جڑی ہے، ادنیٰ کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو ادنیٰ کر دیتی ہے، اس کا لکھا مٹایا نہیں جا سکتا اور انسان کو ہر حال اس کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔بیتال پچیسی میں یہ انداز دیکھیے:

> "..... یہ پانچ چیزیں بدھاتا منش کے کرم میں پیدا ہوتے ہی لکھ دیتا ہے، ایک تو آرہل، دوسرے کرم، تیسرے دھن، چوتھے بدیا، پانچویں جس ....."(۹)

> "..... منش کتنا ہی پرا کرم کرے، پر کرم اس کے ساتھ رہتا ہے اور کتنا ہی کام اپنی بُدھی سے کرے پر کرم کا لکھا ہی ملتا ہے۔"(۱۰)

''.....جو منش کہتے ہیں، یہ کام ہم نے کیا، سونپٹ مربُدھی ہیں، کیوں کہ منش کرم کے تاگے میں بندھے ہوئے ہیں، وہ جہاں جہاں چاہتا ہے تہاں تہاں کھینچ لے جاتا ہے۔ بدھاتا کی بات کچھ سمجھی نہیں جاتی، کیوں کہ منش اپنے من میں کچھ بچارتے ہیں اور وہ کچھ اور کر دیتا ہے۔''(۱۱)

**سنگھاسن بتیسی** میں یہ رنگ مقابلۃً زیادہ ہے، البتہ تفصیلی اسلوب کے بجائے اجمالی رنگ ملتا ہے اور مختلف کہانیوں کے بیان کے دوران میں اچانک چند بلیغ جملے آجاتے ہیں، جو متذکرہ موضوع کا احاطہ کرتے ہیں، جیسے:

''.....(انسان) تین لوک چودہ طبق میں پھرے لیکن قسمت کا لکھا نہیں ٹلتا.....''(۱۲)

''نصیب بڑا ہے، ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیتا ہے۔''(۱۳)

''قسمت کے لکھے کو کوئی مٹا نہیں سکتا.....''(۱۴)

''قسمت کا لکھا مٹتا نہیں ہے اور جو کچھ بدھاتا نے کیار میں لکھ دیا ہے، وہ انسان کو بھگتنا پڑتا ہے۔''(۱۵)

''کرم کا لکھا ہی پھل پاتا ہے۔''(۱۶)

''پڑھانے سے پنڈت نہیں ہوتا۔ پنڈتائی جو کرم میں لکھی ہووے تو ملے۔''(۱۷)

''کرم کی گت بوجھی نہیں جاتی کہ بھلا کرتے بُرا ہو۔''(۱۸)

دنیا کی حقیقت کے حوالے سے دیکھیں تو ان داستانوی کتب میں وہ مقبول عام تصور ملتا ہے جسے بے ثباتی دہر سے موسوم کیا جاتا ہے اور جس کی رو سے یہ کہا جاتا ہے کہ کائنات کا انت نہیں، انسان اس کی وسعتوں کے بھید جاننے میں قاصر و عاجز ہے۔ عالم فریب نظر ہے۔ لوگ یہاں آتے ہیں، اپنے فرائض نبھاتے ہیں اور دل و دماغ میں بہت سے استفسارات لیے اس فانی دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ زندگی میں نیکی و بدی ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور یوں ہر ایک کی زیست بہ ہر حال گزر ہی جاتی ہے۔ دنیا جائے فانی اور دکھوں کا گھر ہے، لہٰذا انسان کے لیے یہ جان لینا ضروری ہے کہ سنسار کی مایا کسی کام کی نہیں، اصل چیز فقط دھرم ہے۔ **بیتال پچیسی** سے مثالیں دیکھیے:

''جو مر جایئے تو سنسار کے دکھ سے چھوٹیے۔''(۱۹)

''سنسار بہت کٹھن جگہ ہے۔''(۲۰)

''یہ شریر انتیہ ہے،اور دھن بھی استھر ہے۔جب آدمی جنما تو مرتیو بھی اس کے ساتھ ہے۔''(۲۱)

''کس کی ماں؟ کس کا باپ؟ کس کی جورو؟ کس کا بھائی؟ اس سنسار کی یہی ریت ہے کہ کتنے آتے ہیں اور کتنے جاتے ہیں۔''(۲۲)

بعض اوقات یوں بھی ہوا ہے کہ ان حکمت آموز قصوں میں بے ثباتی دہر کے بیان میں تمثیلی پیرایۂ بیان اختیار کر کے دلالت معنوی کو گہرا کیا گیا ہے۔مثالیہ انداز کے ضمن میں ہر دو کتب سے اقتباسات دیکھیے:

''یہ سنسار سپنے کی طرح ہے،اس میں کس کی خوشی کیجیے،اور کس کا غم___ اور کیلے کے گابھے کی طرح سنسار ہے،اس میں سار کچھ نہیں،اور دھن جوون بدیا کا جوگرو (غرور) کرتے ہیں،سو اگیان ہیں۔''(۲۳)

''یہ سنسار تھر نہیں جیسے ترور کی چھاں ہے،ویسے دنیا کی گت ہے۔جس طرح چاند سورج آتے ہیں اسی طرح منش کا جینا مرنا ہے۔جیسے کوئی سپنے میں کوتک دیکھتا ہے،ویسا ہی جگت کا روپ نظر آتا ہے.....''(۲۴)

''یہ تن من دھن جی سب چنچل ہے اور سنسار جان ہار ہے اور ان میں سے کوئی قائم نہ رہے گا۔ جب ہی پیدا ہوا تب ہی کال نے کھایا۔جب مرتا ہے تو کچھ ساتھ نہیں لے جاتا ہے اور میرا میرا کر کے جنم گنہ ساتھ آتا ہے۔لابھ کے سب ساتھی ہیں اور وہاں کوئی نہیں بتاتا۔یہ سنسار جو ہے،سمندر ہے اور مایا اس کا جل ہے۔خواہ مچھلی ہے۔ایسا بدیک کوئی نہ ملا جو اس کو مار کر کھاوے۔''(۲۵)

''اُدھر سنسار میں اُپجے ہیں۔ادھر بنسی ہیں جیسے گھڑی بھرتی اور ڈوبتی جاتی ہے۔نر جاتا ہے،دن جاتا ہے،سون جاتا ہے،نر جاتا ہے،یہی جگت کا بیوہار ہے۔اس میں کشل کہاں کی۔گھر من برباد.....''(۲۶)

بیتال پچیسی اور سنگھاسن بتیسی میں مرقوم دانش عرفانی پر مبنی رموز کہیں کہیں

خالص فلسفیانہ آہنگ بھی اپنا لیتی ہیں اور انسانی زیست سے متعلق اہم ترین استفسارات سے متصل ہو کر حکمت و دانش کے اسلوب میں ڈھل جاتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آغاز ہی سے خدا، انسان اور کائنات سے متعلق ایسے بنیادی سوالات نے ذہن انسانی میں ہلچل مچا رکھی ہے، باوجود اس کے کہ فلسفے کی دنیا میں ان کی تعبیرات بھی نو بہ نو صورتوں میں کی جاتی رہی ہیں، مثلاً علم، عقل یا شعور کیا ہے؟ عشق، جذبہ اور وجدان کی کیا حقیقت ہے؟ فنا کیا ہے؟ بقا کیا ہے؟ مایا جال سے کیا مراد ہے؟ انسان اس بے ثبات دنیا میں کیونکر خیر و شر کی آویزش میں زندگی سے نبرد آزما ہوتا چلا آ رہا ہے؟ وغیرھا ____ متذکرہ دونوں حکایتی تصنیفات میں اس قبیل کی فلسفیانہ موشگافیاں دل چسپ اسلوب میں رقم ہیں بل کہ یہ کہنا چاہیے کہ اکثر مقامات پر ان کی وساطت سے قصوں میں تفحص و تدبر کے عناصر ابھرے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ وہ حصے قابل مطالعہ ہیں جہاں دلیلوں پر مبنی طول و طویل بیانات تحریر ہوئے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ رنگ سنگھاسن بتیسی میں حاوی ہے جب کہ بیتال پچیسی میں یہی موضوع عشق و محبت کے موضوع کے تحت مرقوم قصوں میں ملتا ہے، مثلاً:

''.....جس نے عشق کی راہ میں قدم رکھا ہے، پھر وہ جیا نہیں اور جو جیا تو اس نے بہت دکھ پایا، اس واسطے گیانی لوگ اس راہ میں پاؤں نہیں رکھتے .....''(۲۷)

''جب پریتی کے بس آدمی ہوتا ہے، تب اسے دھرم، جات اور کھانے پینے کا کچھ بچار نہیں رہتا، اور نڑادر ہو جہاں پاتا ہے، تہاں کھاتا ہے۔''(۲۸)

**سنگھاسن بتیسی** میں جذبات انسانی سے منسلک یہ استفسارات متنوع فکری نکات پیش کرتے ہیں، جیسا اگر ایک طرف 'دل' اور 'محبت' کے باب میں لکھا ہے:

''من کے بس میں گیان ہے اور من کے بس آتما ہے اور من کے بس دیہ ہے اور مایا، موہ، پاپ، پن، یہ بھی سب من سے ہیں اور جتنی باتیں ہیں یہ من کے تابع ہیں اور من کی اِچھا ہی سے سب ہوتا ہے۔ من راجا ہے تمام سریر کا اور جتنے انگ ہیں سو من کے ادھین ہیں۔ من اُس سے جو کام لیتا ہے، سو کرتے ہیں.....''(۲۹)

''پریم کا پنتھ نرالا ہے۔ جو پریم کرتے ہیں سوا پنا تن من دھرم کرم سب پُن کرتے ہیں۔ پریم کی اُکت کہانی ہے۔''(۳۰)

''پریم جو ہے سو دکھ کی کھان ہے جس نے پریم کے پھندے میں پاؤں دیا اس نے کبھی سکھ نہ پایا۔''(۳۱)

تو دوسری طرف فلسفیانہ تناظر میں 'عقل'، 'گیان' یا 'علم' کی دنیا کا نقشہ یوں جمایا گیا ہے:

''گیان جو ہے یہی راجا ہے۔ دیہہ اور من جو ہے اس کے تابع دار ہیں اور جو گداچت اپنا عمل کیا چاہے تو گیان سے اُس کا بس نہیں چلتا۔ من کے قابو میں اندریاں (عناصر اربعہ)، وہ چاہے تو اُس سے کرم کرا دے، پر گیان نہیں کرنے دیتا، جب گیان آتا ہے تو من کو مار کر نکال دیتا ہے اور پانچوں اندریاں بھی گیان کے کھڑک سے کاٹی ہوئی ہیں۔''(۳۲)

ان جذبات سے قطع نظر فنا و بقا سے متعلق دانش آموز عناصر دونوں ہی قصوں میں موجود ہیں اور یہاں بھی کہنا چاہیے کہ بیتال پچیسی میں مثالیہ رنگ قدرے زیادہ ہے۔ مثالیں دیکھیے:

''یہ شریر رکت اور ماس کا بنا ہوا ہے، سو کیڑوں کی کھان ہے اور سبھاؤ اس کا یہ ہے کہ ایک روز کی خبر نہ لیجئے تو دُرگندھ آتی ہے۔ جو ایسے شریر سے پریتی کرتے ہیں سو مُورکھ ہیں، اور جو اس سے ہت نہیں کرتے وے پنڈت ہیں۔ اور اس شریر کا یہی دھرم ہے کہ بار بار جنم لیتا ہے اور مرتا ہے، ایسے شریر کا کیا بھروسا کیجئے؟ اسے بہتیرا پوتر کیجئے، پر یہ پوتر نہیں ہوتا۔ جیسے مل کا بھرا گھڑا اوپر کے دھونے سے پاک نہیں ہوتا۔ اور کوئلے کو کوئی بہتیرا دھووے، پر وہ دھولا نہیں ہوتا اور جس شریر میں مل کے سوت سدا بہا کریں، وہ کس طرح سے شدھ ہوں۔''(۳۳)

''یہ گتی سنسار کے لوگوں کی ہے کہ انگ ہلے، مُنڈ ہلے، دانت گریں، بوڑھے ہو، لاٹھی لے، پھریں تو بھی تر شنا نہیں مٹتی، اور اس طرح سے کال چلا جاتا ہے، دن ہوا، رات ہوئی، برس ہوا، مہینہ ہوا، بالک ہوا، بوڑھا ہوا، اور کچھ نہیں معلوم کہ میں کون ہوں، اور لوگ کون ہیں؟ اور کون کس لیے کس کا سوگ کرتا ہے، ایک آتا ہے ایک جاتا ہے، اور انت کال سب جی جانے والے ہیں، ان میں سے ایک نہ رہے گا۔''(۳۴)

''.....انیک انیک انگ ہیں، اورانیک انیک من ہیں، اورانیک انیک موہ ہیں، بھانتی بھانتی کے پاشنڈ برھمانے رچے ہیں، پربدھیوان ان سے بچ، آسا اورترشنا کو مار، سرمنڈا، ہاتھ میں دنڈکمنڈل لے، کام کرودھ کو مار، جوگی ہو، ننگے پاؤں تیرتھ تیرتھ ڈولتے پھرتے ہیں، سوموکش پدارتھ پاتے ہیں۔''(۳۵)

سنگھاسن بتیسی میں دنیا کے مایا جال ہونے کا گہرا تصور ملتا ہے اور یہاں فانی انسان کی بقائے دوام کی کاوشیں کرنے اور خیر وشر کی آویزش سے گزرنے کا بیان ناصحانہ پیرایے میں کیا گیا ہے۔ اکثر مقامات پر یوں لگتا ہے جیسے کوئی صوفی یا گیانی زندگی کی حقیقت و اصلیت پر مفکرانہ نظر ڈالتے ہوئے مراحلِ زیست کو بہ طریقِ احسن گزارنے کا درس دے رہا ہو، جیسے:

''یہ (زندگی) بھگوان کی مایا ہے۔اس میں کسی کا بس نہیں چلتا۔''(۳۶)

''جب آدمی پیدا ہوتا ہے تو کچھ ساتھ نہیں لاتا اور مرتا ہے تو کچھ لے نہیں جاتا۔اس جیون کا پھل یہی ہے کہ سنسار میں آ کر کوئی کچھ کرنی کرے اور جیسی کرنی کرے گا ویسا ہی پھل پاوے گا اور سنسار میں جیون تھوڑا ہے۔اس سے ایسا جتن کرو کہ مرنے کے بعد بھی جگ میں نام ٹھہرا رہے۔دونوں لوک میں سکھ پاوے اور یہ منش جنم بار بار نہیں پاتا۔جب پورب جنم میں دان برت تپشیا بہت کرتا ہے تو یہ نر دیہہ پاتا ہے اور پچھی دان کر کچھ سوچ مت کر۔یہی اپنے جی میں سدا رکھ کہ دان ہمیشہ کیا کیجیے۔یہ روپ جو سنسار ساگر ہے اس کے ترنے کو سوا دان اور ابکار اور ہر بھجن کے چوتھا اپائے نہیں.....جنھوں نے دان، ابکار، ہر بھجن کیا، ان کا جگ میں دم رہا اور انت سمیں بیکنٹھ پایا۔''(۳۷)

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ متذکرہ فکر انگیز پہلوؤں سے جو زیادہ تر حیات انسانی اور جذبات انسانی سے متعلق فلسفیانہ امور کا احاطہ کرتے ہیں قطعِ نظر بیتال پچیسی اور سنگھاسن بتیسی میں مذکورہ حکمت آمیز نکات متاثر کن ہیں جو انسانی زندگی سے متعلق عمومی دانش کا احاطہ کرتے ہیں۔ایسی دانش جو گہرے طور پر اخلاقیات سے منسلک ہے۔ یہاں نفسیاتی و سماجی دونوں حوالے سے حکمت آموز ٹکڑے ملتے ہیں اور اس حوالے سے دونوں ہی داستانوی قصوں میں

خاصا تنوع ملتا ہے۔ یہاں سنگھاسن بتیسی سے اجتماعی و آفاقی اخلاقی دانش کے ایسے نمونے ملاحظہ کیجیے جن کا اطلاق ہر دور میں انسان اور سماج سے متعلق گہری نفسیاتی و ذہنی فکریات پر بہ آسانی کیا جا سکتا ہے:

''.....جو کوئی غصہ مار نہ سکے تو اسی طرح بے اجل مرتا ہے اور گر کے بہت پچھتاتا ہے۔''(۳۸)

''سنگھ کی برابری سیار نہیں کر سکتا، اور ہنس کی برابری کوّے سے نہیں ہوتی اور بندر کے گلے میں موتی کی مالا نہیں سوہتی اور گدھے پر پاکھر نہیں چھبتی۔''(۳۹)

''ہاتھ کا مانک پھر کر کے ہاتھ نہیں آتا۔''(۴۰)

''جتنا پاپ راجہ کے مارنے کا ہوتا ہے اور برکھش کے کاٹنے کا اور گرو سے جھوٹ بولنے کا اور بن جلانے کا اور بسواس گھاٹ کرنے سے اتنا ہی ہوتا ہے۔''(۴۱)

''اس میں تیرا دوش کچھ نہیں ہے۔ تیرے پِتا کا دوش ہے، اس واسطے جیسا کہ بیج بوویں گے ویسا ہی پھل ہوگا۔ یہ تم نے اپنے پِتا کے دکھ سے دکھ پایا۔''(۴۲)

''پچھمی سے سب ملتے ہیں اور سب سہائے ہوتے ہیں۔ سب ادیا دو دھرم گیان نیم پُن دان یہ سب پچھمی سے ہوتا ہے۔''(۴۳)

''پچھمی کس کام کی ہے جو ساتھ سامان نہ ہو اور جو سامان ہو تو راجہ کہاوے اور سب کوئی سر نواوے۔ سرانجام ہو تو درجن ڈریں اور سنسار میں سوبھا پاوے۔ جو پچھمی ہوئی اور جگ میں سوبھا نہ پائی تو اس پرکھ کا جم بنا نر پھل ہے۔''(۴۴)

''کسی کے لچھن کو پت ہوتے ہیں، کسی کے پرگھٹ۔(۴۵)

''نام دھرم جَس آدمی کے جانے سے نہیں جاتا جیسا پھول نہیں رہتا اور اس کی سوگندھ عطر میں رہ جاتی ہے۔''(۴۶)

''ایسی بات کرنی اُچت نہیں ہے کہ اپنی جان جائے اور جگ ہنسائی ہو۔''(۴۷)

''بدنامی کے جینے سے مرنا اُتم ہے۔''(۴۸)

''کنچن کی برابری پیتل نہیں کرسکتا اور ہیرے کے برابر شیشہ نہیں ہوتا اور چندن کے گن کو نیم نہیں پاتا۔''(۴۹)

''سچ ہے جو جس کام کے جوگ نہ ہو تو لازم ہے کہ وہ کام نہ کرے۔''(۵۰)

''اتارتر شاسوات کے بوند سے بجھتی ہے اور جل پر اسے رچ نہیں ہوتی''۔(۵۱)

**بیتال پچیسی** اس حوالے سے **سنگھاسن بتیسی** سے کہیں آگے ہے۔اس کی پچیس کی پچیس کہانیاں انسان کی نفسیات اور اس کے سماج سے تعلق کے حوالے سے بے مثال دانش آموز رمزیں پیش کرتی ہیں۔دانش نفسی کے ضمن میں زیادہ تر عورت اور مرد کی نفسیات، آجر اور اجیر کی نفسیات اور برتر اور کم تر کی نفسیات پر مبنی حکمت و دانش پر مبنی نثر پارے ملتے ہیں جب کہ سماجی دانش کے سلسلے میں خاصا تنوع ہے۔اس سلسلے میں یہاں معاشرے میں اقدار کے ملیا میٹ ہونے، ناکس کے افضل ٹھہرنے، آداب مجلس، رموز گفت کو، رشتے ناتوں کے تقاضے، آداب سلطنت، برتری اور کم تری کے اسباب، قول کی پاس داری، مال و دولت کی افراط کے نقصانات، بدنامی و نیک نامی اور جزا و سزا جیسے موضوعات افسانوی رنگ میں زیر بحث آئے ہیں۔یہاں اکثر مقامات پر مثالیہ انداز بھی اپنایا گیا ہے اور جا بجا ایسے ٹکڑے ملتے ہیں جو ناصحانہ اسلوب کے عکاس ہیں اور ترسیلِ فکر کے لیے انسانی تجربات و مشاہدات سے مختلف اسناد بھی پیش کرتے ہیں۔یہاں اوّلاً سماجی دانش کے اظہار کے ضمن میں اقدارِ عالیہ کی نشان دہی پر مشتمل چند اقتباس دیکھیے:

''.....شاستر میں لکھا ہے کہ خالی ہاتھ اتنی جگہ نہ جائے، راجا، گرو، جوتشی، وید، بیٹی کے ____ اس واسطے کہ وہاں پھل سے پھل ملتا ہے۔''(۵۲)

''جنتر، منتر، اوشدھ، دھرم، گھر کا احوال، حرام کا کھانا، بری بات سنی ہوئی، یہ سب باتیں مجلس میں کہی نہیں جاتیں، خلوت میں کہوں گا۔''(۵۳)

''سنو یہ قاعدہ ہے، جو بات چھ کان میں پڑتی ہے، وہ مخفی نہیں رہتی، چار کان کی بات کوئی نہیں سنتا اور دو کان کی بات برھما بھی نہیں جانتا، آدمی کا تو کیا ذکر ہے۔''(۵۴)

''پنڈت، چتر، بدھیوان، لوگ جو ہیں، تن کے دن تو گیت اور شاستر کے آنند میں کٹتے ہیں اور کوڑھ مورکھوں کے دن کلل کلل اور نیند ہیں۔'' (۵۵)

''سجن جس بات کو کہتے ہیں، اس کا نباہ کرتے ہیں۔'' (۵۶)

''جو بات کسو کی عقل میں نہ آوے، اور کوئی یاد نہ کرے ویسی بات نہ کہیے......'' (۵۷)

''یہ ست پرشوں کا دھرم نہیں ہے، جو منھ سے کہہ کر نہ کریں'' (۵۸)

''پرائی (پرائی) ستری ماتا کی سمان ہے، اور پرا نا دھن ماٹی برابر۔'' (۵۹)

''جیسا اپنا جی آدمی سمجھے، ویسا ہی سب کا جی سمجھے۔'' (۶۰)

''جو ماتا پتا کی نندا کرتے ہیں سو ادھم نر ہیں، اور ان کی گتی مکتی کبھی نہیں ہوتی۔'' (۶۱)

''جو دان کے ھین ہیں، تن کی کیرتی نہیں ہوتی اور جو ست سے ھین ہیں، انھیں لاج نہیں۔ جو نیاؤ سے ھین ہیں، تمھیں لکشمی نہیں ملتی اور جو دھیان کے ھین ہیں، انھیں بھگوان نہیں ملتا۔'' (۶۲)

''جس نے اپنی لاج کھوئی، دوسرے کو وہ کب بے حرمت کرنے سے ڈرتا ہے، اور مثل ہے کہ جو بلاؤ اپنے بچے کو کھاتا ہے سو چوہے کو کب چھوڑے گا۔ (۶۳)

''جنھوں نے بالک پن میں بدیا نہ پڑھی، اور جوانی میں کام سے آتر ہو جوبن کے گرو میں رہے، سو بردھ کال میں پچھتا کے حرص کی آگ میں جلتے ہیں۔'' (۶۴)

**بیتال پچیسی** میں معاشرتی حوالے سے فرد کو اچھی اقدار کی ترغیب دلانے کے ساتھ ساتھ بُری قدروں اور روشوں سے گریز کرنے کا احساس دلایا گیا ہے اور خاصا دردمندانہ اسلوب ملتا ہے۔ مثلاً:

''......کلی کال برتمان ہے، کیوں کہ سنسار میں جھوٹھ بڑھا ہے، اور ست گھٹ گیا ہے۔ لوگ منھ پر بات میٹھی کہتے ہیں، اور پیٹ میں کپٹ رکھتے ہیں۔ دھرم جاتا رہا، پاپ بڑھا، پرتھوی پھل کم دینے لگی۔ راجا ڈانڈ لینے لگے، براھمن لالچی ہوئے۔ ستریوں نے لاج چھوڑ دی۔ بیٹا باپ کی آگیا نہیں مانتا۔ بھائی بھائی کا اعتبار نہیں کرتا۔ متروں سے مترائی جاتی رہی۔ خاوندوں سے وفا اٹھ گئی۔ سیوکوں نے سیوا چھوڑ دی اور جتنی نالائق باتیں تھیں وے سب نظر آتی ہیں۔'' (۶۵)

بسا اوقات یہی دردمندی اور اخلاص سماج کو سدھارنے کی روش میں ڈھل جاتی ہے، جیسے:

''راج نیتی میں ایسا لکھتا ہے، کہ جواری کے ناک کان کاٹ دیس سے نکال دیجیے کہ اور لوگ جوا نہ کھیلیں اور جواری کے جو رو لڑکوں کو گھر میں ہوتے ہوئے بھی گھر میں نہ جانیے، کیوں کہ نہیں معلوم کس وقت ہار دے۔''(٦٦)

''جو کوئی جوا کھیلتا ہے اس کے گھر میں لکشمی نہیں رہتی۔''(٦٧)

بیتال پچیسی میں سماجی دانش کے ایسے جواہر ریزے بھی اکثر مقامات پر موجود ہیں جن سے اصلاح احوال کی جا سکتی ہے اور یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ سماج کا ہر فرد ایسی کیفیات سے ضرور گزرتا ہے لیکن وہ ان جذبات کو زبان دینے سے قاصر رہتا ہے۔ یوں ایسے نثری ٹکڑے دل کی آواز بن کر ابھرے ہیں اور پڑھنے والا اصاد کیے بغیر نہیں رہتا، جیسے:

''بھائیوں کو دوستوں کو برے وقت میں پرکھیے، اور ستری کو نا داری میں جانیے۔''(٦٨)

''.....مثل ہے کہ پتر ہووے تو اپنے بس کا، کایا نروگ بدیا سے لابھ، متر، چتر، ناری حکم بردار ____ جو یہ پانچ باتیں آدمی کو میسر ہوں تو سکھ کی دینے والی، اور دکھ کی دور کرنے والی ہیں۔ اگر چاکر بے مرضی، اور راجا بخیل، دوست کپٹی، اور جورو بے فرمان ہو، تو یہ چار باتیں آرام کی دور کرنے والی، اور دکھ کی دینے والی ہیں۔''(٦٩)

''پرائے پوت پر کچھ زور نہیں چلتا، جس میں اس کی خوشی ہوگی وہی ہم کریں گے۔''(٧٠)

''چور دھن کے گاہک ہوتے ہیں، جیو کے گاہک نہیں۔''(٧١)

''دکھ اس سے کہیے جو دکھ کو دور کہے اور جو سُن کے دور نہ کر سکے اس سے کہنا کیا حاصل؟''(٧٢)

سیاسی دانش آموزی کے اظہار میں بھی دونوں داستانوی قصّوں میں خاصی قوت اور رمزیت ہے۔ مثلاً بیتال پچیسی میں مذکور نکاتِ فکری میں خاصی آفاقیت پائی جاتی ہے اور بڑی سہولت کے ساتھ ان کا اطلاق ہر دور کے سیاسی و حکومتی نظام پر کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر بادشاہ اور رعایا اور مالک اور مزدور کی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے فکر انگیز نکات سامنے آئے ہیں، مثلاً:

''ایسے راج کو لعنت ہے کہ جس راج کے لیے ایک کا سرب ناس ہووے، اور ایک راج کرے، ایسا راج کرنا دھرم نہیں ہے۔''(٧٣)

''نیکوں کا پالنا اور بدوں کا سزا دینا راجوں کا برابر دھرم چلا آتا ہے۔''(۷۴)

''یہ ایک بات مقرر ہے، سوامی کی سیوا کرنے سے کبھی نہ کبھی پھل مل رہتا ہے، نر پھل نہیں رہتا۔''(۷۵)

''ریت یہ ہے کہ کوئی کسو کو بیچتا ہے تو بکتا ہے، پر چکر یا چاکری کر کے اپنے تئیں آپ بیچتا ہے اور جب بکا تو تابع دار ہوا، جو پر بس ہوا تو اسے سکھ کہاں؟ مشہور ہے کیسا ہی چتر عاقل پنڈت ہوئے، لیکن جس وقت اپنے خاوند کے سامنے ہوتا ہے، تو ڈر کے مارے گونگے کے برابر چپ ہی رہتا ہے۔ جب تلک تفاوت سے ہے، چین سے ہے۔ اسی واسطے پنڈت لوگ کہتے ہیں کہ سیوا دھرم کرنا جوگ دھرم سے بھی کٹھن ہے۔''(۷۶)

''جس کسی کو چاکر اپنا آزمانا ہو تو وقت بے وقت اسے کام کو کہے۔ اگر وہ حکم اس کا بجالاوے تو جانیے کام کا ہے اور جو تکرار کرے تو جانیے ناکارہ۔''(۷۷)

''جس سوامی کے پاس رہیے اور وہ ایسا ہو کہ ہزاروں کو پالتا ہو اور اپنی خبر نہ لے، تو اس میں اس کو کچھ دوش نہیں، مگر اپنے کرم کا دوش ہے۔ جیسے دن کو سارا جہان دیکھتا ہے، مگر الو کو نظر نہیں آتا، اس میں گناہ سورج کا کیا ہے؟..... اپنے نزدیک مال و دولت چاہنی کسی بڑے آدمی سے کہ دیتے وقت وہ منھ بناوے اور ناک بھوں چڑھاوے، اس سے زہر ہلاہل کھا کر مر جانا بہتر ہے۔''(۷۸)

**بیتال پچیسی** اور **سنگھاسن بتیسی** کے حکمت آمیز اسلوبِ تحریر میں بعض مقامات پر تانیثی زاویے بھی ابھرے ہیں جو زیادہ تر ہندو مذہب سے اثر پذیر ہیں۔ ان کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ عورت مرد کے مقابلے میں کم زور ہے، بے وفا، فریبی اور دھوکے باز ہے اور امورِ سلطنت کی انجام دہی میں راجاؤں مہاراجوں کو زوال آشنا کر دیتی ہے۔ اس سلسلے میں **بیتال پچیسی** کے مقابلے میں **سنگھاسن بتیسی** میں ایسے نکات کو اشاراتی انداز میں پیش کرنے کا رویہ ملتا ہے اور زیادہ تر یہ فکر ملتی ہے کہ عورت کہتر ہے اور مرد سے اس کا مقابلہ و موازنہ نہیں ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں بتیس پتلیوں کی زبانی تمام قصّوں میں عورت اور مرد میں مقابلہ و موازنہ کرنے کا کوئی رجحان نہیں ملتا۔ **بیتال پچیسی** میں اس رنگ کی نمود یوں ہوئی ہے:

''دھرم شاستر میں بھی یونہی لکھا ہے کہ ناری نہ دان سے سدھ ہوتی ہے، نہ برت سے ___ لنگڑا، لولا، گونگا، بہرا، اندھا، کانا، کوڑی، کبڑا، کیسا ہی اس کا سوامی ہو، اس کو اسی کی سیوا کرنے سے دھرم ہے۔ اگر کسی طرح کا دنیا میں دھرم کرم کرے اور خاوند کا حکم نہ مانے تو دوزخ میں پڑے۔''(۷۹)

''ستری ھت اور اھت میں، دونوں طرح سے دکھ دینے والی ہے۔ ستری جو نہ کرے سوتھوڑا، کیوں کہ جو بات اس کے من میں رہتی ہے، سو زبان پر نہیں لاتی، اور جو زبان میں ہے اسے ظاہر نہیں کرتی، اور جو کرتی ہے سو کہتی نہیں۔ ستری کو سنسار میں بھگوان نے عجب کوئی پیدا کیا ہے۔۔۔۔(۸۰)

تانیثی حوالے سے بیتال پچیسی میں مثالیہ انداز پر مشتمل حکمت در حکمت پر مبنی اسلوب بھی اپنایا گیا ہے جو خاصا متاثر کن ہے اور یہاں بات میں سے بات نکلتی چلی جاتی ہے، جیسے:

''جو ناری آدمی کے من کو ایک گھڑی میں موہ لے، ایسی ناری سے گیانی دور رہتے ہیں، اور اگیانی اس سے پریتی کر اپنا ست شیل جس اچار بچار نیم دھرم سب کھوتے ہیں۔''(۸۱)

ان قصّوں میں عورت اور مرد کی نفسیات پر تقابلی انداز میں بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس ضمن میں ایک کہانی میں طوطا اور مینا کے کرداروں کے ذریعے یہ رنگ بہ خوبی جمایا گیا ہے جو بالترتیب مرد اور عورت کے کرداروں کے علم بردار ہیں۔ مثلاً مینا کی زبانی چند جملے دیکھیے:

''...... مجھے پرش کی اِچھا نہیں...... پرش پاپی، ادھرمی، دغا باز، ستری ھتیا کرنے والے ہوتے ہیں''(۸۲)

''پرش پاپی ستری گھاتک ہوتے ہیں۔''(۸۳)

''پرش کی ذات ایسی بٹ مار ہوتی ہے، کون ایسے سے دوستی کر، اپنے گھر میں سانپ پالے۔''(۸۴)

جب کہ طوطے کی زبان سے یہ جملہ دیکھیے:

''ناری بھی دغاباز، جھوٹی، بے وقوف، لالچی، ھتیاری ہوتی ہے۔''(۸۵)

مرد کی عورت پر فوقیت کے علاوہ بعض مقامات پر عورت کے ساتھ ساتھ خود مرد کے لیے بھی گھر گرھستی کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے، اور زیادہ تر توجہ اس طرف ملتی ہے کہ عورت مرد میں کن خصوصیات کو دیکھنے کی خواہاں ہوتی ہے اور مرد کیسی عورت کو اپنے لیے انعام سمجھتا ہے۔ تاہم عورت کو اگر اپنی

خواہشات کے مطابق مرد نہ بھی ملے تو وہ اس کی سیوا کرتی ہے اور یہی اس کا دھرم ہے۔متذکرہ حوالوں سے اقتباس ملاحظہ ہوں:

''ایسے کہا ہے کہ ایک نامی، دوسرے سورما، تیسرے چتر، چوتھے سردار، پانچویں سخی، چھٹے گن وان، ساتویں ستری رکشک ہو، ایسے پرش کو ناری، اس جنم میں تو کیا اس جنم میں بھی نہیں بھولتی۔''(۸۶)

''سنسار میں بھگوان نے بہت رتن پیدا کیے ہیں، پر ستری رتن سب سے اُتم ہے اور اسی کے لیے منش دھن کی اِچھا کرتے ہیں .....جن کو حسین عورت میسر نہ ہو، ان سے سنسار میں پشو بھلے ہیں۔دھرم کا پھل ہے دھن، اور دھن کا پھل ہے سکھ اور سکھ کا پھل ہے ناری۔اور جہاں ناری نہیں، تہاں سکھ کہاں؟(۸۷)

''.....جو ناری اپنے سوامی کے جیتے تپ برت کرتی ہے، وہ اپنے سوامی کی عمر کم کرتی ہے، اور انت کال کو نرک میں پڑتی ہے۔پر اتم یہ ہے، کیسا ہی سوامی ھین ہو اسی کی سیوا کرنے سے اس کی مکتی ہوتی ہے اور جو ناری شمشان میں ستی ہونے کی کامنا کر جتنے پاؤں زمین میں رکھتی ہے، اتنے اشومیدھ یگیہ کرنے کے پھل ہوتے ہیں، اس میں کچھ سندیہ نہیں، اور ستی ہونے کے سمان ناری کو کوئی دھرم نہیں .....''(۸۸)

''سوامی کے لیے سیوک کو جی دینا اُچت ہے اور پتی کے لیے ستری کو ستی ہونا لازم ہے۔''(۸۹)

''سچ ہے جو گیانی کہہ گئے ہیں، ستری سنسار میں دکھ کی کھان ہے، اور منحوس کا گھر، ساھس کی گرانے والی اور موہ کی کرنے ولی، دھرم کی ھرنے والی، ایسی جو بش کی جڑ ہوا سے اُتم کن نے کہا ہے اور ایسا کہا ہے کہ آپدا کے لیے دھن رکھیے، اور دھن دے کے ستری کی رکشا کیجیے، اور دھن ستری دے کے اپنے جی کو بچائیے۔''(۹۰)

سیاسی دانش مندی کے اظہار کے سلسلے میں **سنگھاسن بتیسی** اہم ہے جس میں پتلیوں کی زبانی بیان کردہ قصص میں ہندوستانی سماج میں راجوں مہاراجوں کے لیے عوام کی طرف سے عزت وتکریم کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور عامۃ الناس سے وابستہ خود ان کے اپنے جذبات واحساسات کو پوری حساسیت سے دیکھنے کا رویہ موجود ہے۔ایک باکمال راجا کو کیسا ہونا چاہیے؟اس کے کیا فرائض ہیں؟ اور عوام اُس سے کیا کیا توقعات وابستہ کر لیتی ہے؟ اسی طرح عوام کی حکمرانوں سے محبت بھی موضوع بنی ہے اور ان کے سامنے گستاخی کرنا نہایت غیر مناسب فعل گردانا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ

نفسیاتِ حاکمی اور محکومی دونوں ہی سے متعلق تحریر کردہ یہ زاویے نہایت پر کشش لگتے ہیں، مثلاً اس کی توضیح تو آغاز میں راجہ بھوج سے پہلی پتلی کے مکالمے کے دوران ہی میں ہو جاتی ہے، جب وہ راجہ بھوج کو سنگھاسن پر براجمان ہونے سے روکتی ہے، تو راجا کہتا ہے:

''کیا میں بلی یا راجہ کا بیٹا یا سخی نہیں یا چھتریوں میں کایر ہوں یا نامرد ہوں یا بے رحم ہوں یا اور راجہ میرے حکم میں نہیں یا میں پنڈت نہیں یا میرے یہاں پدمنی رانی نہیں یا میں راج نیت نہیں جانتا یا میں کسی مجلس میں نیچے ہو کر بیٹھا، پھر کس بات میں نالائق ہوں؟''(۹۱)

''.....آپ کی کرپا (راجا کی) سے سبھی کشل ہے اور آج کا دن بھی کشل ہے جو آپ کے درشن پائے۔(۹۲)

''ایسا مورکھ ہم نے نہ دیکھا ہے نہ سنا ہے کہ گنونت پُرش، یوں جی مارے۔ گداچت گنوان پُرش سے کچھ تقصیر ہو جاوے تو اسے دیس سے نکال دیتے ہیں۔ یہ چلن راجاؤں کا ہمیشہ سے ہے۔ پر کوئی راجاؤں کی بات پر نہ بولے۔ منھ میں تو ان کے امرت رہتا ہے اور پیٹ میں بس بھرے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کچھ اور کرتے ہیں کچھ.....(۹۳)

**سنگھاسن بتیسی** کو اس تناظر میں دیکھنا یوں بھی اہم ہے کہ اس کی وجہ تحریر ہی امور سلطنت انجام دینے کے لیے دانش و حکمت کے زریں اصولوں پر ہیں۔ بتیس پتلیاں راجہ بھوج کو سنگھاسن پر براجمان ہونے سے روکتی ہی اس لیے ہیں کہ وہ اوصاف جو راجہ بکرم میں تھے، وہ اس میں انھیں دکھائی نہیں دیتے۔ یوں آغاز ہی سے اس قصے میں سیاسی دانش کی علامتی معنویت محسوس کی جا سکتی ہے، بقول انتظار حسین:

> ''.....ان کہانیوں کی تعبیر اس حوالے سے بھی ہو سکتی گویا بتایا یہ جا رہا ہے کہ راج سنگھاسن پہ براجمان ہونا، کرسی اقتدار پہ رونق افروز ہونا کوئی ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے۔ یہ بہت ذمے داری کا کام ہے۔ بھلے آدمی کو پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ وہ اس ذمے داری کو سنبھالنے کا اہل بھی ہے۔ اگر وہ خود یہ نہیں سوچتا تو بھلے لوگوں کو اسے یہ احساس دلانا چاہیے۔ بتانا چاہیے کہ کون سے اوصاف آدمی میں ہوں جن کے بعد وہ حاکم بننے کا اہل ٹھہرتا ہے۔ راجہ بکرم کی مثال سامنے رکھو اور دیکھو کہ اس میں جو صفات تھیں اور

جن کی وجہ سے ایک آدرشی راجا کی حیثیت اختیار کر گیا کیا وہ صفات تم میں ہیں۔اگر وہ صفات تم میں نہیں تو پھر کس بوتے پر تم راج سنگھاسن پر براجمان ہونے کا خواب دیکھ رہے ہو۔تم ہمیں کٹھ پتلیاں سمجھ رہے ہو۔سمجھا کرو۔مگر ہم تمہیں آسانی سے سنگھاسن پر براجمان نہیں ہونے دیں گے۔تمہیں ثابت کرنا ہوگا کہ راج سنگھاسن پر بیٹھنے کے اہل ہو۔ارے پھر تو یہ کہانیاں ہمارے زمانے کی کہانی بن گئیں۔۔۔عقل مندوں کے لیے اشارے کافی ہیں۔''(۹۴)

**بیتال پچیسی** حکمت در حکمت کے پیرایہ بیان کے باعث **سنگھاسن بتیسی** پر فائق ہے۔یہاں بڑے مثالیہ انداز میں بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے اور مختلف مثالوں کے ذریعے مختلف مدارج و مراحل زیست کے ساتھ ساتھ نفسیات انسانی کے حوالے سے حکمت و دانش پر مبنی نکات ملتے ہیں۔ایسے مقامات پر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی حکیم فلسفی یا گیانی زندگی کے تمام تر پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے زیست اور مراحلِ زیست کے حوالے سے دانش آمیز تعبیرات کر رہا ہے۔ایسے میں اقوال و امثال بھی بیانِ قصہ میں در آتی ہیں اور نثر میں مسلّماتِ بلیغ کی پیش کش ہونے لگتی ہے۔چناں چہ یہاں پیش کردہ صداقتیں پوری بلاغت کے ساتھ سماجی و سیاسی اور مذہبی و اخلاقی نکات کا موثر اظہار کرتی ہیں۔یہ حکمت آموز نکات ایسی صداقت کے ساتھ پیوند نثر ہوئے ہیں کہ پڑھنے والا بہ سہولت مثبت اور روشن زاویۂ زیست اپنا سکتا ہے۔ان دائمی اور لازوال فکر پاروں سے جا بجا دانش مندی کا احساس ابھرتا ہے۔دونوں داستانوں سے سماجی و معاشرتی حوالے سے اخلاقی و ترغیبی اقوال و امثال کا رنگ ملاحظہ کیجیے:

''ستری کا دھرم نشٹ ہوتا ہے، اَتی روپ پا کے، براھمن کا دھرم جاتا ہے، راجا کی سیوا کرنے سے، اور گائے خراب ہوتی ہے دور کی چرائی سے، اور دھن جاتا ہے دھرم پنے سے''(۹۵)

''مشہور ہے کہ، پاپ کا مول لوبھ، اور بیادھ کا مول رس، اور دکھ کا مول نیہ، جوان تینوں کو چھوڑے سو سکھ سے رہے، پر یہ ہر کسو سے چھوٹ نہیں سکتے.....''(۹۶)

''مثل مشہور ہے کہ بھوگ آٹھ پر کار کا ہے، ایک سگندھ، دوسرے بنتا، تیسرے بستر، چوتھے گیت، پانچویں پان، چھٹے بھوجن، ساتویں سیج، آٹھویں آبھوش.....''(۹۷)

''چنچل چت کا، کالے سانپ کا، شستر ردھاری کا، دشمن کا، وسواس نہ کیجیے، اور تریا چرتر سے ڈریئے، کویشور کیا برن نہیں کرسکتا؟ اور جوگی کیا کچھ نہیں جانتا، متوالا کیا کچھ نہیں بکتا؟ رنڈی کیا کچھ نہیں کرسکتی؟ سچ ہے گھوڑے کا عیب، بادل کا گرجنا، تریا کا چرتر، اور پُرش کا بھاگ یہ دیوتا بھی نہیں جانتے، آدمی کا تو کیا مقدور ہے۔''(۹۸)

''.....نہ تمام پہاڑوں میں لعل ہوتے ہیں، نہ سب شہروں میں ستونتے آدمی، نہ ہر ایک بن میں چندن اپجتا ہے، نہ ہر ایک ہاتھی کے مستک میں موتی ہوتا ہے۔''(۹۹)

''بہتات کسی چیز کی اچھی نہیں، اتی روپ وتی سیتا تھی، راون نے ہری، راجا بل نے اتی دان کیا، سو دلدری ہوا، راون نے اتی گرب کر کے اپنے کل کی کشے کی.....''(۱۰۰)

''مثل مشہور ہے کہ، نپوتے کا گھر سونا، مورکھ کا ہر دیے سونا، اور دلدری کا سب کچھ سونا ہے۔''(۱۰۱)

''.....یہ چھ باتیں آدمی کو ہلکا کرتی ہیں۔ ایک تو کھوٹے نر کی پریتی، دوسرے بنا کارن کی ہنسی، تیسرے ستری سے بیاہ کرنا، چوتھے اجن سوامی کی سیوا، پانچویں گدھے کی سواری، چھٹے بنا سنسکرت کی بھاشا۔''(۱۰۲)

''کوئل کا سر ہی روپ ہے، اور ناری کا روپ پتی برت، اور کروپ منش کا روپ بدیا، تپسی کا روپ کشما۔''(۱۰۳)

''جو کسی کے چرتروں پر موہت ہوتے ہیں، سو اپنے جی کو دکھ بساتے ہیں اور کسی کے بس میں ہو سر بس اپنا دے انت کو چوری کرتے ہیں .....اور اس کو اپنے گرو کا اُپدیس بھلا نہیں لگتا.....''(۱۰۴)

''کیسا ہی ساھسی، پنڈت، چترا، وویکی، دھیر منش ہو، پر کام دیوا سے ایک کشن میں بے کل کر دیتا ہے۔''(۱۰۵)

''ایسے کہتے ہیں کہ اُتم برن کے گھر جو نیچ برن بھی اتتھی آوے، تو وہ بھی پوجنیہ ہے، اور چور ہو یا چنڈال، شتر و ہو یا پتری گھاتک، پر جو وہ بھی اپنے گھر آوے تو اس کی بھی پوجا کرنی اچت ہے، کیوں کہ اتتھی سب کا گرو ہے.....''(۱۰۶)

''مثل ہے کہ جو دیا ونت ہوتے ہیں، وے سب پر دیا کرتے ہیں، وے ہی گیانی ہیں اور انھیں کو بیکنٹھ ہوتا ہے اور جن کا من شدھ نہیں، تن کا دان، پوجا، تپ، تیرتھ کرنا، شاستر سننا، سب ورتھا ہے، اور جو

شردھا ھین ڈنبھ سمیت شردھا کرتے ہیں تن کا نرچھل ہوتا ہے اور پتر ان کے نراس جاتے ہیں.....''(۱۰۷)

''بالک پن میں ماتا رکشا کرتی ہے اور بڑے ہوئے سے پِتا پالتا ہے۔ سمے سمے رعیت کی راجا سہائے کرتا ہے۔ سنسار کی یہ ریت ہے۔''(۱۰۸)

''اور ایسے کہا ہے، گرھستی دھرم برابر کوئی نہیں اور گھر والی کے برابر کوئی سنسار میں سکھ دینے والی نہیں۔''(۱۰۹)

نثر میں حکمت در حکمت پر مبنی اسلوب کے حوالے سے بیتال پچیسی کی آخری پانچ حکایات تو اس قدر بھرپور ہیں کہ بعض مقامات پر تحریر میں بوجھل پن کا احساس بھی ہونے لگتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں داستانوی کتب میں مذہبی و اخلاقی، روحانی و نفسیاتی اور سیاسی و سماجی حوالے سے اخلاق آموز نکات موثر اسلوب میں بیان ہوئے ہیں۔ مزید برآں ان میں مذکور عورت اور مرد کی نفسیات اور نفسیاتِ حاکمی و محکومی پر مبنی داستانوی قصّوں سے ہندوستان کی تہذیبی دانش کا سراغ ملتا ہے۔ پھر ایسے مقامات جہاں یہی پہلو عقلی و استدلالی رنگ اختیار کر گیا ہے، زیادہ پر زور دکھائی دیتے ہیں۔ مزید برآں تحریر میں حکمت آموزی کی یہ صورت خاصی دل پذیر ہے۔ ایسے مواقع پر دانش آمیز نکات مِل جُل کر عجیب و غریب حکمت آمیز فضائیں ترتیب دیتے ہیں، جو ایک طرف صدیوں کی اجتماعی دانش کا بلیغ اظہار ہیں تو دوسری جانب ایک خاص خطے کے رسوم و رواج اور جذبات و احساسات کی عکاس بھی ہیں۔ یاد رہے کہ بیتال پچیسی اور سنگھاسن بتیسی میں شامل یہ فکر انگیز نکات رمزیہ پہلو بھی رکھتے ہیں جس کے باعث ان کا اطلاق مختلف مراحل زیست پر پوری توانائی کے ساتھ ہوتا نظر آتا ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی رنگ ایسا نہیں جو ان میں محسوس نہ کیا جا سکے، غالباً یہی وجہ ہے کہ یہ داستانیں پڑھنے والے کے لیے کل بھی معنویت رکھتی تھیں اور آج بھی ان میں بعض حوالوں سے گہری رمزیت تلاش کی جا سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

# حوالے


(۱) مظہر علی خاں ولا: بیتال پچیسی (مرتبہ) گوہر نوشاہی، لاہور: مجلس ترقی ادب ۱۹۶۵ء، ص ۱۰

(۲) ایضاً، ص ۸۸

(۳) کاظم علی جوان، للولال کوی: سنگھاسن بتیسی (مرتبہ) انتظار حسین، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص ۹۹

(۴) ایضاً، ص ۲۹

(۵) ایضاً، ص ۹۳

(۶) ایضاً، ص ۱۲۲

(۷) ایضاً، ص ۱۱۲

(۸) ایضاً، ص ۱۱۳

(۹) بیتال پچیسی، ص ۷۸

(۱۰) ایضاً، ص ۱۳۳

(۱۱) ایضاً، ص ۱۳۴، ۱۳۵

(۱۲) سنگھاسن بتیسی، ص ۲۹

(۱۳) ایضاً، ص ۴۵

(۱۴) ایضاً، ص ۵۹

(۱۵) ایضاً، ص ۶۸

(۱۶) ایضاً، ص ۱۱۳

(۱۷) ایضاً، ص ۱۱۵

(۱۸) ایضاً، ص ۱۱۷

(۱۹) بیتال پچیسی، ص ۳

(۲۰) ایضاً، ص ۶۹

(۲۱) ایضاً، ص ۱۱۵

(۲۲) ایضاً، ص ۱۳۲

(۲۳) ایضاً، ص ۱۵۵

(۲۴) سنگھاسن بتیسی، ص ۱۰۱

(۲۵) ایضاً، ص ۳۷

(۲۶) ایضاً، ص ۱۱۴

(۲۷) بیتال پچیسی، ص ۱۹

(۲۸) ایضاً، ص ۹۷

(۲۹) سنگھاسن بتیسی، ص ۹۵

(۳۰) ایضاً، ص ۱۰۹

(۳۱) ایضاً، ص ۱۰۷

(۳۲) ایضاً، ص ۹۵

(۳۳) بیتال پچیسی، ص ۱۳۱، ۱۳۲

(۳۴) ایضاً، ص ۱۵۵، ۱۵۶

(۳۵) ایضاً، ص ۱۵۵

(۳۶) سنگھاسن بتیسی، ص ۱۲۳

(۳۷) ایضاً، ص ۱۲۸، ۱۲۹

(۳۸) ایضاً، ص ۴۱

(۳۹) ایضاً، ص ۶۲

(۴۰) ایضاً، ص ۶۲

(۴۱) ایضاً، ص ۸۲

(۴۲) ایضاً، ص ۸۵

(۴۳) ایضاً، ص ۹۳

(۴۴) ایضاً، ص ۹۳

(۴۵) ایضاً، ص ۱۰۱

(۴۶) ایضاً، ص ۱۰۱

(۴۷) ایضاً، ص ۱۰۷

(۴۸) ایضاً، ص ۱۱۱

(۴۹)ایضاً،ص۱۴۳ (۵۰)ایضاً،ص۱۴۷ (۵۱)ایضاً،ص۱۱۱

(۵۲)بیتال پچیسی،ص۱۰

(۵۳)ایضاً،ص۱۱ (۵۴)ایضاً،ص۱۱،۱۲ (۵۵)ایضاً،ص۱۵

(۵۶)ایضاً،ص۸۰ (۵۷)ایضاً،ص۹۲ (۵۸)ایضاً،ص۱۱۹

(۵۹)ایضاً،ص۱۲۶ (۶۰)ایضاً،ص۱۲۶ (۶۱)ایضاً،ص۱۳۱

(۶۲)ایضاً،ص۱۳۲ (۶۳)ایضاً،ص۱۵۲ (۶۴)ایضاً،ص۱۵۲

(۶۵)ایضاً،ص۶۱ (۶۶) ایضاً،ص۱۵۱ (۶۷)ایضاً،ص۱۵۱

(۶۸)ایضاً،ص۳۹ (۶۹)ایضاً،ص۴۱ (۷۰)ایضاً،ص۵۰

(۷۱)ایضاً،ص۵۲ (۷۲)ایضاً،ص۱۰۵ (۷۳)ایضاً،ص۴۳

(۷۴)ایضاً،ص۵۹ (۷۵)ایضاً،ص۷۸،۷۹ (۷۶)ایضاً،ص۳۸،۳۹

(۷۷)ایضاً،ص۳۹ (۷۸)ایضاً،ص۷۷،۷۸ (۷۹)ایضاً،ص۴۲

(۸۰)ایضاً،ص۸۵ (۸۱)ایضاً،ص۱۵۱،۱۵۲ (۸۲)ایضاً،ص۴۷

(۸۳)ایضاً،ص۴۷ (۸۴)ایضاً،ص۵۳ (۸۵)ایضاً،ص۴۷

(۸۶)ایضاً،ص۱۳۷ (۸۷)ایضاً،ص۱۰۵،۱۰۶ (۸۸)ایضاً،ص۱۲۷

(۸۹)ایضاً،ص۱۲۷،۱۲۸ (۹۰)ایضاً،ص۱۴۵

(۹۱)سنگھاسن بتیسی،ص۲۵

(۹۲)ایضاً،ص۱۱۴ (۹۳)ایضاً،ص۸۱ (۹۴)ایضاً،ص۱۵۶،۱۵۷

(۹۵)بیتال پچیسی،ص۱۱۰

(۹۶)ایضاً،ص۱۳۵ (۹۷)ایضاً،ص۱۳۶ (۹۸)ایضاً،ص۵۸

(۹۹)ایضاً،ص۹۴ (۱۰۰)ایضاً،ص۶۳ (۱۰۱)ایضاً،ص۶۶

(۱۰۲)ایضاً،ص۷۸ (۱۰۳)ایضاً،ص۸۶ (۱۰۴)ایضاً،ص۱۵۱،۱۵۲

(۱۰۵)ایضاً،ص۱۴۹ (۱۰۶)ایضاً،ص۱۴۱،۱۴۲ (۱۰۷)ایضاً،ص۱۳۹

(۱۰۸)ایضاً،ص۱۴۶ (۱۰۹)ایضاً،ص۱۳۱

✿ ✿ ✿